انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date
1-8-15-22

Phone—29
Annual Rs. 4/-
Per Copy-12

جلد ۲۶ ۔ شمارہ ۳۳	ایڈیٹر: آل احمد سرور	یکم ستمبر ۱۹۶۷ء

اداریہ

سرکاری زبان یا علاقائی زبان

ادھر اخباروں میں یہ بحث چل پڑی ہے کہ ہمارا مطالبہ اترپردیش اور بہار میں اردو کو سرکاری زبان تسلیم کرانے کا ہو یا علاقائی زبان۔ پنڈت آنند نرائن ملا نے لکھنؤ میں ایک جلسے کی صدارت کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا کہ سرکاری زبان کا مطالبہ غلط تھا، مطالبہ علاقائی زبان کا ہونا چاہیے۔ اس کے خلاف کچھ بیان بھی نکلے ہیں۔ پنڈت آنند نرائن ملا کا خلوص، ان کی اردو، ان کا تجربہ مسلّمہ ہے۔ وہ ہمیشہ نہایت صفائی اور جوش سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے نزدیک صحیح ہے۔ ہمیں ملا صاحب کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے، ان کی نیت پر حملہ کرنا، یا ان کی مخالفت کرنا بالکل غلط ہوگا۔ جہاں تک ہم سمجھ سکے ہیں، ملا صاحب کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ دوسری سرکاری زبان کے مطالبے کے معنی اول تو ہندی کی برابری کے لئے گئے ہیں اور دوسرے ریاست کے تمام کاموں کو ہندی کی طرح اردو میں کرنے کے، اس لیے دوسری سرکاری زبان کا مطالبہ الجھنیں پیدا کرے گا۔ اور اسی وجہ سے علاقائی زبان کا مطالبہ کرنا چاہیے جس کے منوانے میں آسانی ہوگی۔ اس سلسلے میں انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ نہ معلوم کیوں اور کیسے وہ مطالبہ جو علاقائی زبان کا ہونا چاہیے تھا، دوسری سرکاری زبان کے مطالبہ کی شکل میں کیا گیا جس سے موجودہ مشکلات پیدا ہوئی ہیں۔ اس سلسلے میں انجمن کی جو پوزیشن ہے وہ واضح کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں، اس پر دوستانہ ماحول میں گفتگو بھی ہو سکتی ہے۔

انجمن نے جب یہ دیکھا کہ اترپردیش، بہار، دہلی اور دوسری ریاستوں میں اردو کے حقوق کی پامالی ہو رہی ہے۔ اردو میں ابتدائی تعلیم کے لیے عملاً سہولتیں بہت کم ہیں، ثانوی تعلیم کے لیے اترپردیش میں بالکل سہولتیں نہیں ہیں، اردو میں عرضیاں قبول نہیں کی جاتیں، اردو میں جوابات نہیں ملتے، سڑکوں پر سے اردو میں نام ہٹا دئے گئے اور اردو داں اشخاص کو عام طور پر پبلک اور سرکاری کاموں کے سلسلے میں دشواری ہوتی ہے تو اس نے ریاستی حکومتوں اور مرکز سے مطالبہ کیا کہ دستور میں جو سہولتیں لسانی اقلیتوں کو دی گئی ہیں ان کی روشنی میں اردو داں اشخاص کے حقوق کی پاسداری ہو۔ حکومت نے اول تو اس مطالبے پر توجہ نہیں کی اور جب توجہ کی تو کچھ احکام جاری کرنے کو کافی سمجھا، ان پر عمل کو نظر انداز کیا۔ شمالی ہند میں بالخصوص یہ صورت سامنے آئی، جنوبی ہند میں ریاستی حکومتوں نے جو احکام جاری کئے ان پر عمل بھی کرنے کی کوشش کی۔ جب انجمن نے یہ دیکھا کہ بعض ریاستی حکومتیں اردو کی طرف سے غفلت برت رہی ہیں تو اس نے اردو میں ابتدائی تعلیم اور ثانوی تعلیم، اعلیٰ تعلیم میں سہولتیں، عدالتوں اور دفتروں میں اردو میں عرضیاں لینے اور کاغذات داخل کرنے اور جوابات اردو میں حاصل کرنے اور اردو کے ادب کی ہمت افزائی کے لیے دستور کی دفعہ ۳۴۷ کی رو سے اردو کو بھی اترپردیش، بہار اور دہلی میں سرکاری زبان منوانے کے لیے بائیس لاکھ دستخطوں کے ذریعہ سے ۱۹۵۳ء میں صدر جمہوریہ کی خدمت میں ایک یادداشت پیش کی۔ جب اس کا کوئی جواب نہ ملا تو اپریل ۱۹۵۴ء میں پھر ایک دفعہ کے ذریعہ سے یاد دہانی کی۔ اس کا بھی براہِ راست جواب نہ ملا۔ مرکزی وزارت داخلہ نے جولائی ۱۹۵۸ء میں ایک اعلان جاری کیا جس میں اردو کے سلسلے میں حکومت کی پالیسی بیان کی گئی۔ اس بیان کو ریاستی حکومتوں نے بھی تسلیم کیا مگر عمل کے معاملے میں ان حکومتوں کی روش میں کوئی خاص تبدیلی نہ ہوئی۔ اب جبکہ اردو کو سرکاری زبان تسلیم کرانے کا مطالبہ پھر نہایت جوش و خروش سے دہرایا جا رہا ہے تو حکومت کو بھی اس کا نوٹس لینا پڑا ہے اور اردو کے مخالفوں کو بھی غلط بحث کر کے مخالفت کرنے کا بہانہ ہاتھ آیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انجمن نے یا کسی اردو کی جماعت نے یہ کبھی مطالبہ نہیں کیا کہ اردو کو ہندی کے برابر درجہ دیا جائے۔ انجمن نے دوسری سرکاری زبان کا بھی مطالبہ نہیں کیا۔ انجمن نے دفعہ ۳۴۷ کی رو سے اردو کو بھی ان اغراض کے لیے جن کا ذکر انجمن کی یادداشت میں ہے، اردو کو بھی سرکاری زبان تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ یہ مطالبہ صدر جمہوریہ سے ہے کیونکہ دستور نے اسے یہ اختیار دیا ہے اور معاملہ صرف اس کے فیصلہ پر چھوڑا گیا ہے اور کوئی شرط نہیں لگائی گئی ہے۔ یہ مطالبہ اپنی جگہ پر اب بھی موجود ہے اور اس سلسلے میں انجمن جواہر لال نہرو، لال بہادر شاستری کو ان کے زمانے میں اور اب اندرا گاندھی کو توجہ دلا چکی ہے کیونکہ دستور کی ہدایات کے مطابق صدر اپنی مرضی سے کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا، بلکہ مرکزی وزارت کے مشورے سے ہی وہ ایسا اعلان کر سکتا ہے۔

اس عرصے میں حالات میں کچھ تبدیلی ہوئی ہے۔ عام چناؤ کے بعد کئی ریاستوں میں مخلوط حکومتیں بنی ہیں اور ان حکومتوں کے پیچھے جو سیاسی پارٹیاں ہیں ان میں کئی نے چناؤ سے پہلے اردو کے حقوق کو تسلیم کیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ برسراقتدار آنے پر وہ اردو کو سرکاری حیثیت دلوائیں گی۔ ریاستی

حکومتیں اگر کوئی قدم اٹھا سکتی ہیں تو صرف دفعہ ۳۴۵ کے تحت جس میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ کسی ریاست کی مجلس قانون ساز ایسا قانون پاس کر سکتی ہے کہ ریاست میں جو زبان یا زبانیں استعمال ہوتی ہیں ان کو یا ہندی کو اس ریاست میں کسی مقصد کے لیے یا تمام مقاصد کے لیے سرکاری زبان تسلیم کر لیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دوسری زبان بھی سرکاری زبان کے برابر نہ ہوگی بلکہ خاص مقاصد کے لیے اسے سرکاری حیثیت دی جائے گی چونکہ اترپردیش اور بہار کی حکومتوں میں شریک کئی سیاسی پارٹیاں اردو کو یہ سرکاری درجہ دینے کے حق میں ہیں اس لیے انجمن اسے بہتر سمجھتی ہے کہ ریاستی حکومتوں کے سرکاری زبان ایکٹ میں مناسب ترمیم ہو۔ ویسے صدر جمہوریہ سے ان کا مطالبہ اپنی جگہ پر قائم ہے۔ ریاستی حکومتوں کے اقدام کو ہم اس لیے بہتر سمجھتے ہیں کہ اصلی کام ریاستوں میں ہوگا۔ صدر کے اعلان کے معنی یہی تو ہوں گے کہ مرکزی حکومت ریاستی حکومتوں کو ہدایت دے گی۔ عمل تو بہرحال ریاستی حکومتوں کے ہاتھ میں ہوگا۔ اگر ریاستی حکومتیں عمل نہ کریں تو ہم عدالت میں ضرور جا سکیں گے مگر عدالت کے فیصلے کے بعد بھی اس کے نفاذ کے سلسلے میں ریاستی حکومتوں سے مدد لینی ہوگی۔ موجودہ حالات میں جبکہ قوانین کی پابندی میں وہ ذمہ داری کا احساس نہیں جس کی بجا طور پر ہم حکومت سے توقع کرتے ہیں۔ یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ریاستی حکومتوں کے سرکاری زبان ایکٹ میں ترمیم ہو تاکہ اس ترمیم کا نفاذ وہ عناصر کرا سکیں جو پہلے سے اردو کے حقوق کو تسلیم کر چکے ہیں اور جو اب اقتدار میں شریک ہیں اور دوسرے مخالف عناصر کو بھی کسی نہ کسی طرح سمجھا کر ساتھ لے سکتے ہیں۔ اس لیے ملا صاحب کے اس خیال سے ہمیں اتفاق نہیں ہے کہ مطالبہ علاقائی زبان کا ہونا چاہیے نہ کہ سرکاری زبان کا۔ دستور کے متن میں علاقائی زبان کا ذکر ہی نہیں ہے۔ ہاں ایک باب کا عنوان ضرور ہے ہم نہیں سمجھتے کہ قانونی اعتبار سے اس عنوان کی کیا اہمیت ہے مگر بادی النظر میں متن میں تذکرہ سرکاری زبان کا ہے علاقائی زبان کا نہیں۔ اس لیے ہمیں ریاستی حکومتوں سے یہ کہنا ہے کہ وہ دفعہ ۳۴۵ کے تحت اپنے سرکاری زبان ایکٹ میں ترمیم کر کے اردو کو بھی ان اغراض کے لیے جن کا ذکر ہمارے صدر کے نام یادداشت میں کیا گیا ہے سرکاری زبان تسلیم کر لیں۔ اگر کسی اور اقلیتی زبان کو بھی یہ حق دینا چاہیں تو دے دیں ہمیں خوشی ہوگی۔ ہاں ظاہر ہے کہ سب سے مقدم اردو کا حق ہے۔ ہندی کے کچھ نادان دوستوں نے اردو کی مخالفت میں یہ شور شغب کیا ہے کہ اردو والے ہندی سے برابری چاہتے ہیں اور ریاست کے سارے کاموں کے لیے ہر معاملے میں اور ہر منزل پر ہندی کی طرح اردو کے استعمال کا مطالبہ کر رہے ہیں یہ سراسر افترا ہے۔ ہم اردو زبان و ادب کو کسی زبان سے کم نہیں سمجھتے سب زبانیں برابر ہوتی ہیں اگرچہ ہمیں یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ اترپردیش اور بہار کی اکثریت کی زبان ہندی ہے۔ لیکن چونکہ ایک بڑی اقلیت کی زبان اردو بھی ہے اس لیے ہم اس اقلیت کے حقوق کا تحفظ چاہتے ہیں اور اس کی ترقی کے راستے میں ہر رکاوٹ دور کرنا چاہتے ہیں۔ ریاستی سطح پر یہ صرف دفعہ ۳۴۵ کے ذریعے سے ہو سکتا ہے اور مرکزی سطح پر دفعہ ۳۴۷ کے ذریعہ سے۔

ہمیں لفظ سرکاری یا علاقائی سے کوئی جذباتی لگاؤ نہیں ہے۔ ہم ان اغراض کے لیے جن کا ذکر ہماری صدر جمہوریہ کے نام یادداشت میں ہے، اردو کو سرکاری طور پر تسلیم کرانا چاہتے ہیں۔ بیس سال کے تجربے کے بعد ہماری رائے ہے کہ جب تک قانونی طور پر ان حقوق کے تحفظ کی ضمانت نہ ہو، مرکزی یا ریاستی حکومتوں کا سہولتوں کا اعلان کسی خاص تبدیلی کا باعث نہ ہوگا اور موجودہ دشواریاں بدستور رہیں گی اگر ریاستی حکومتیں یا مرکز اردو کے لیے ان سہولتوں کو جائز سمجھتے ہیں تو انھیں ان سہولتوں کو قانونی شکل میں دینے میں کیا اعتراض ہے اعتراض کے معنی ہم یہ لینے پر مجبور ہیں کہ موجودہ صورت حال سے یہ حکومتیں مطمئن ہیں۔ کچھ ہندی کے پرچارک بلاوجہ مسئلے کو الجھا رہے ہیں ہمیں ہندی سے کوئی بیر نہیں ہے۔ جہاں جہاں وہ سرکاری زبان ہے ہم اس کی اس حیثیت کو خوشی سے اور بغیر کسی جبر و اکراہ کے قبول کرتے ہیں۔ مرکز میں بھی اس کے بالآخر راشٹر بھاشا ہونے پر بھی ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ انگریزی کی جگہ کوئی ایک زبان لے سکتی ہے تو وہ ہندی ہے۔ اس لیے ہندی کی جو اونچی جگہ ہے اسے کسی قسم کا کوئی خطرہ اردو کی طرف سے نہ ہے نہ ہو سکتا ہے پھر کچھ ہندی کے پریمیوں کی طرف سے اردو کی اس بےجا مخالفت کو کیا کہا جائے سوا اس کے کہ خدا کرے وہ قومی معاملات کو قومی اور جمہوری نقطۂ نظر سے دیکھ سکیں۔

اس وقت اردو دوستوں کو آئینی یا اصلی سرکاری یا علاقائی کی اصطلاحوں میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔ انھیں ریاستی حکومتوں سے یہ مطالبہ کرنا چاہیے کہ وہ دفعہ ۳۴۵ میں مناسب ترمیم کر کے اردو کو بھی سرکاری زبان تسلیم کریں اور صدر جمہوریہ سے بھی یہ مطالبہ کرتے رہنا چاہیے کہ وہ دفعہ ۳۴۷ کے تحت اپنے اختیار کو استعمال کریں۔ دونوں صورتوں میں سرکاری زبان کا لفظ تو استعمال کرنا ہی پڑے گا ورنہ دستور کی دفعات سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکے گا۔ ریاستی اور مرکزی دونوں سطحوں پر اس لیے مطالبہ ضروری ہے کہ ہمیں اپنے آئینی اور جمہوری حقوق حاصل کرنے کے لیے ہر ذریعے سے کام لینا ہے۔ اس لیے ریاستی حکومتوں اور مرکز دونوں سے اس وقت تک ہمارا مطالبہ ہوتا رہے گا جب تک ہم کامیاب نہ ہو جائیں۔

ڈاکٹر محمد اسلام

حضرت اثر لکھنوی سے میری ملاقاتیں

۱۸ اگست سنہ ۶۶ء کو اثر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا جگر صاحب نے مشاعروں کے لیے بھی غزلیں کہی تھیں؟ اثر صاحب نے کہا بہت ہاں سی غزلیں طرح پر انھوں نے کہی ہیں اور میں نے بھی کہا ہے بہت سے مشاعروں میں ہم دونوں ایک ساتھ شریک ہوئے ہیں اور ایک ہی طرح میں دونوں آدمیوں نے غزلیں کہی ہیں بعض جگہ جگر صاحب نے میری نقل کی ہے مثلاً یہ شعر سے کرتی ہے کام نشتر و پیکاں کا وہ مژہ ، نشتر لیے ہوئے ہے پیکاں لیے ہوئے میرا ہے ۔ جگر صاحب نے اس کی نقل اس طرح کی ہے ؎

کرتی ہے کام نشتر و پیکاں کا وہ نگاہ	نشتر لیے ہوئے ہے نہ پیکاں لیے ہوئے

اثر صاحب نے کہا کہ غالباً یہ غزل جگر صاحب نے ۱۹۵۰ء میں بھوپال کے مشاعرے میں طرح میں پڑھی تھی انھوں نے بتایا کہ لکھنؤ میں "معیار ادب" انجمن کے مشاعرے میں انھوں نے کئی بار طرحی غزلیں پڑھیں لیکن چونکہ ان کی تعریف زیادہ نہیں ہوئی اس لیے انھوں نے اس انجمن کے مشاعرے میں شرکت کرنا ترک کر دیا۔ انھوں نے بتایا کہ ایک دفعہ لکھنؤ کے سیٹھ لکھن جی نے طرحی مشاعرہ کرایا تھا جس میں جگر صاحب شریک ہوئے تھے ایک دفعہ امین آباد لکھنؤ میں بھی طرحی مشاعرہ ہوا تھا اس میں بھی جگر صاحب نے طرحی غزل پڑھی تھی۔

اثر صاحب نے بتایا کہ ایک دفعہ گورکھپور میں طرحی مشاعرے میں جگر صاحب نے شرکت کی تھی۔ ہردوئی میں بھی ایک مشاعرے میں طرحی غزل پڑھی تھی۔ کانپور میں طرحی مشاعرے ہوتے تھے جس میں جگر صاحب شریک ہوتے تھے کئی بار مجھے بھی ان مشاعروں میں شریک ہونے کا موقع ملا آگرہ میں بھی ایک طرحی مشاعرے میں جگر صاحب شریک ہوئے تھے وہاں کئی مشاعروں میں جگر صاحب نے طرحی غزلیں پڑھی تھیں۔

اثر صاحب نے بتایا کہ کراچی میں کئی بار طرحی مشاعرے ہوئے جس میں میں اور جگر صاحب شریک رہے ہیں اس مشاعرے میں بھی شریک تھا جس میں کراچی کے مشاعرے میں نیاز صاحب کو صدر منتخب کیا گیا تھا اور جگر صاحب نے ان کی صدارت میں اپنی غزل پڑھنے سے انکار کیا تھا اور بعد کو خود ہی آ کر اسی مشاعرے میں غزل پڑھی تھی جس پر نیاز صاحب نے "نگار" کا جگر نمبر نکالا ہے جو محض بغض و کینہ پر مبنی ہے۔ وہ صحیح تنقید نہیں ہے جس میں بعض دعناد شامل ہوں میں تو ہمیشہ غیر جانبدارانہ طور سے کسی کے کلام کی خامی یا خوبی بیان کرتا ہوں۔

اثر صاحب نے اپنا ایک شعر سنایا جسے وہ خود بہت پسند کرتے تھے اس میں سادگی سلاست سہل ممتنع وغیرہ تمام خوبیاں بتاتے تھے وہ شعر یہ ہے ؎

دل سے کیوں دور دور پھرتا ہے
صاف ستھرا مکان ہے پیارے

اثر صاحب نے بتایا کہ ایک دفعہ کسی مشاعرے میں ماہر القادری صاحب نے ایک شعر پڑھا جس میں میرے ایک معتقد جو بمبئی کے رہنے والے ہیں شامل تھے انھوں نے ماہر صاحب سے کہا کہ اثر صاحب کے یہاں آپ کے اس شعر سے توارد ہو گیا ہے اس پر ماہر صاحب نے کہا ہاں! یہ اثر صاحب سے توارد ہو گیا ہے اس کو انھوں نے اپنے رسالے میں شائع کیا۔ اور جب اثر صاحب نے اس ... اب دیا تو ماہر صاحب نے آخر میں اقرار کر لیا کہ اس شعر میں بھی سے توارد ہو گیا ہے۔ اثر صاحب سے نہیں ہوا ہے۔ اثر صاحب کا وہ شعر یہ تھا ؎

وہ خمار آلود آنکھیں دیکھ کر
صبح نے لینے لگی انگڑائیاں

اثر صاحب نے کہا کہ عزیز الحسن مجذوب صاحب کا یہ مصرعہ

کام آئے کسی کے تو کھلونا ہے دل کا
نیلام کہیں کر دے نہ رونا ہے دل کا

سہل ممتنع کی بہترین مثال ہے۔

اثر صاحب نے کہا کہ اگلے اتوار کو جب آپ آئیں گے تو میں جگر صاحب کے دونوں دیوان نکال کر لاؤں گا اور ان کو دیکھوں گا تو شاید سنہ وغیرہ کا تعین کر کے آپ کو بتا سکوں کہ کس کس سنہ میں کون کون سی غزلیں طرحی مشاعروں میں پڑھی گئیں۔

۸ ستمبر سنہ ۶۶ء کو کافی عرصہ کے بعد اثر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تقریباً دو ہفتے سے وہ بیمار تھے میں نے اپنا نام کہلا بھیجا تو وہ کمرے میں نیچے چلے آئے اور کہنے لگے ان دنوں میں بھی بڑا سخت بیمار رہا۔ بخار رہتا اور ڈاکٹر نے بتایا کہ بلغم سینے پر کافی جما ہوا ہے بہرحال اب صحت ہوں اور جب سے بیمار پڑا ہوں آج صرف تمہاری وجہ سے یہاں تک آ گیا۔ ورنہ اکثر لوگوں کو دروازہ ہی سے واپس کر کے واپس جانا پڑا، میں نے ان کے کھانے کی بابت دریافت کیا تو فرمایا کہ پہلے بھی ایک ہلکا شوربا میں ڈبو کے کھاتا تھا۔ اب ڈاکٹر نے صرف ایک اضافہ کر دیا ہے کہ کچھ پھلوں کا رس شام کے وقت پی لیتا ہوں یہی خوراک ہے۔

کچھ صدیق حسن صاحب آئی۔ سی۔ ایس کے انتقال کا ذکر آیا تو میں نے ان سے بتایا کہ صدیق حسن صاحب پاکستان جانے

سے پہلے میرے نظم کے مجموعہ کو چھاپنے کی کوشش کر رہے تھے اور جامعہ والوں نے مجھے انھیں کے توسل سے لکھا تھا کہ وہ مجموعہ اگلے سال چھپ جائے گا۔ اثر صاحب نے کہا کہ میں اپنے بارے میں کبھی کسی سے کچھ نہیں کہتا۔ میں نے فرہنگ اثر کی بابت بھی کسی سے کوئی تذکرہ نہیں کیا لیکن یہ صرف صدیق حسن صاحب ہی کی پرخلوص محبت اور ادب نوازی کی وجہ سے سرکار کی توجہ کا مرکز بنی۔ انھوں نے خود ایک میٹنگ کی جس میں اس لغت پر انعام دینے کا PROPOSAL رکھا اور اسے اس میٹنگ میں پاس بھی کرایا۔ انھیں کی بے لوث ادب نوازی کی وجہ سے مجھے سرکار سے انعام ملا۔ اب ایسے لوگ کہاں ملتے ہیں۔ انھوں نے کہا ہیلٹ؎ کے زمانے میں صدیق حسن صاحب کا بی۔ بی سنگھ کی ضمانت کر لینا اور ان کے بچوں کو انگلینڈ تک تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجنا اور پھر اپنے ہی اخراجات سے ان کی شادی بھی کر دینا کتنی بڑی ہمت اور جرأت افزائی و نیک نفسی کی بات ہے۔ خصوصاً ہیلٹ کے زمانے میں جب کہ وہ گورنر تھا اور اس نے تمام انگریز کو یہ دستخط لکھے تھے کہ بی۔ بی سنگھ کی کوئی ضمانت نہ لے۔ صدیق حسن صاحب نے ان کی ضمانت لے کر اپنی ہمت اور نڈر ہونے کا ثبوت دیا، خاص کر اس زمانے میں جب کہ انگریزوں ہی کی حکومت تھی اور انھیں سے مقابلہ تھا۔ انھوں نے بتایا کہ صدیق حسن صاحب بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ لیکن میں ان کی میت میں اپنی بیماری اور کوئی سواری نہ ہونے کی وجہ سے شریک نہ ہو سکا۔ اگر یہ معلوم ہوتا تو ان کے پاکستان روانگی سے قبل میں ان سے ضرور ملتا۔

میں نے اثر صاحب سے صدیق حسن صاحب کی تجہیز و تکفین کی بابت بتایا کہ جب مجھے یہ خبر ملی تو میرے دل میں ان کے آخری دیدار کا بے حد اشتیاق پیدا ہوا کیونکہ ان کے مجھ پر بہت سے احسانات تھے۔ جو انھوں نے بے لوث میرے ساتھ کیے۔ میں اشتیاق دید میں پیدل بھاگا بھاگا ان کے بنگلے گیا وہاں معلوم ہوا کہ جنازہ عیش باغ کے لیے روانہ ہو چکا ہے تو میں دوڑا عیش باغ پہنچا خوش قسمتی سے حمید صدیقی صاحب (مرحوم) سے ملاقات ہو گئی اور ہم دونوں آدمی کاندھا دینے میں شریک ہو گئے۔ عیش باغ مسجد کے پاس بہت سے لوگوں کی خواہش ہوئی کہ نماز جنازہ دوبارہ پڑھا دی جائے تو کسی نے توجہ نہ کی حالانکہ صدیق حسن صاحب کے چھوٹے بھائی نے بھی اس کے لیے کہا۔ خیر یہ تو بات ہو گئی ہی۔ اس کے بعد جنازہ قبر کے پاس لے جایا گیا میں بھی اسی کے ساتھ ساتھ لگا رہا۔ اور بھی تمام سرکاری افسران پاس ہی کھڑے تھے۔ جن میں سے بہت سے لوگ خواہش مند تھے کہ صدیق حسن صاحب کا آخری دیدار کر لیا جائے۔ صدیق حسن صاحب کے دو چھوٹے لڑکے بھی پاس ہی کھڑے تھے۔ میت کو قبر میں اتارا گیا۔ لوگ اس امید میں تھے کہ رسم کے مطابق میت کا منھ کھول دیا جائے اور جو لوگ آخری دیدار کرنا چاہیں گے کر لیں گے۔ لیکن اس میں ایک مولانا قبر میں تھے جنھوں نے کسی کی بھی نہ سنی اور یہ کہہ کر پٹرے رکھنا شروع کر دیے کہ پٹرے رکھ لیے جائیں پھر ایک پٹرہ ہٹا کر چہرہ دکھا دیا جائے گا۔ اس کے باوجود انھوں نے سارے پٹرے رکھ دیے اور چہرہ کھول کر کسی کو بھی نہ دکھایا۔ ان کی اس حرکت پر مسعود صاحب بریلوی تھوڑے سے برہم ہوئے کیونکہ بیشتر لوگوں کی خواہش تھی کہ صدیق حسن صاحب کا آخری بار دیدار ہو جائے لیکن ان کی بھی شنوائی نہ ہوئی۔ اثر صاحب نے کہا کہ کچھ انھیں لوگوں نے مذہب کو فرقوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔

آج اثر صاحب نے بتایا کہ علی گڑھ سے ایک صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ "دھادت" کے کیا معنی ہیں تو میں نے انھیں لکھ کر بھیجا کہ دھادت کے معنی شورہ پشت، غنڈہ اور بدمعاش کے بھی ہیں اور اس شرابی کو بھی کہیں گے جو شراب پی کر مست جھوم رہا ہو لیکن اول فول یا گالی گلوج نہ بکتا ہو۔ اثر صاحب نے کہا لوگ زبان سے کس قدر بے بہرہ ہوتے جا رہے ہیں جب انھیں الفاظ کے معنی نہیں معلوم تو یہ شعر کا مطلب کیا سمجھیں گے۔

پھر انھوں نے کہا جب بارش ہلکی بار تیزی کے ساتھ ہو اور نکل جائے تو اسے چھینٹا کہتے ہیں اور جب دھیمی دھیمی بارش ہو تو اسے جھالا کہتے ہیں اور جب بارش خوب تیز ہو اور پھر تھوڑی دیر دھیمی ہو جائے تو اسے دونگڑا کہتے ہیں۔ انھوں نے اپنا ایک شعر بھی سنایا ؎

ایک مدت سے خشک ہیں آنکھیں
یا کبھی دونگڑے برستے تھے

انھوں نے بتایا کہ سودا نے "رنگ توڑے" کا استعمال کیا ہے جس کے معنی غمزۂ بیجا کے ہیں۔ انھوں نے کہا "اشغلا" کے معنی دنگا فساد کی افواہ پھیلانا ہے۔ اس کو لکھنؤ والوں نے اشقلا کہنا شروع کر دیا جو زیادہ فصیح ہے لیکن اصل لفظ "اشغلا" ہی ہے پھر انھوں نے بتایا کہ "تریڑا" کے معنی پاک کرنے کے ہیں اور لوگ "تریڑا" کا لفظ بھی اسی مفہوم میں استعمال کرتے ہیں لیکن اس کے معنی ہیں اونچے سے تیز دھار کا پانی گرنا یا گرانا۔

انھوں نے بتایا کہ جوش جب پاکستان میں تھے تو انھوں نے مجھ سے "کسمسانا" کے معنی دریافت کیے تھے اس کے معنی بچوں کا کروٹ بدلنا ہے۔ اور "کنمنانا" کے معنی پس و پیش یا تامل کرنا ہے۔

انھوں نے بتایا کہ انھیں کا دعویٰ تھا کہ زبان میں سے

(باقی صفحہ ۷ پر)

؎ یوپی کے سابق گورنر

غزلیں

جے کرشن چودھری حبیب

جب دامن میں اپنی منزل کے چل پڑتے ہیں دیوانے لوگ
کب حائل کوہ و دریا ہیں کب رک سکیں فرزانے لوگ
چہروں پر ہم نے دیکھی ہیں شاداب بہاریں گو اکثر
پہلو میں لیے پھرتے ہیں لگتا ہے کتنے ہی ویرانے لوگ
تقصیر سہی چشم غزل مری، یا تیری نگاہ لطف کی تھی
اب دور تک جانے چلتے ہیں ہر بات پہ کچھ افسانے لوگ
صہبا میں کہاں وہ مستی ہے جو تیری نظر سے برستی ہے
تری آنکھ کے ساغر چھلکیں جب کیوں جائیں گے میخانے لوگ
درد ہے سب کا اپنا اپنا اس کو ہیں کیسے بانٹوں
دنیا کی اک رسم نبھانے آئے دل بہلانے لوگ
چہرے کے سوتے خشک ہوئے سب آنکھ کا پانی مر ہی گیا
میں کیا سمجھوں کون ہیں اپنے کون یہاں بیگانے لوگ
شمع ایک ہے میری نظروں میں جس سے یہ دل روشن ہے
ان کی بات الگ ہے جو ہر شمع کے ہیں پروانے لوگ
اس شہر میں اب تو حبیب کہیں رسم وفا کا نام نہیں ہے
آؤ جا کر دور بسیں ہم سب یہاں ہیں انجانے لوگ

خرد غوث پوری

ہر اک طوفان سے ٹکراتا رہوں گا
ترانہ زیست کا گاتا رہوں گا
بلا سے گتھیاں قسمت میں پڑ جائیں
تری زلفوں کو سلجھاتا رہوں گا
غم جاناں غم دوراں سے ہر دم
میں اپنے دل کو بہلاتا رہوں گا
گلوں ہی سے نہیں ہے مجھ کو الفت
ہر اک کانٹے کو اپناتا رہوں گا
ستم کے تیر برساتے رہو تم
جگر پر چوٹ میں کھاتا رہوں گا
خرد ہر سمت دنیائے ادب میں
ہمیشہ نور برساتا رہوں گا

رئیس نعمانی

لاش ارمانوں کی کاندھوں پہ اٹھائے ہوئے لوگ
ہائے یہ لوگ زمانے کے ستائے ہوئے لوگ
صبح [illegible]
ہیں سر شام سے ہی شمع جلائے ہوئے لوگ
سانحے، تجربے، افکار، حوادث، آلام
ایک انبار ہیں یادوں کا اٹھائے ہوئے لوگ
[illegible] پھر بھی رئیس
آئینوں ہی میں کچھ جام چھپائے ہوئے لوگ

خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ

پٹنہ: حکومت ہند کوشش کر رہی ہے کہ خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ کو اسلامی علوم کے ایک بین الاقوامی مرکز میں تبدیل کر دیا جائے۔ یہ ۷۵ سال کی پرانی لائبریری ہے [illegible] اسلام کے نزدیک ایک بیش قیمت ادبی خزانہ [illegible] زیادہ تر عربی اور فارسی مسودات ہیں۔

لائبریری کی عمارت [illegible] ایک لاکھ کے سرمایہ سے اس [illegible] ایک مسلم خاندان نے اس لائبریری کے [illegible] مسودات فراہم کیے [illegible] اسی خاندان [illegible] کا نتیجہ ہے کہ یہ لائبریری [illegible] کے ایماء سے لارڈ کرزن نے اس لائبریری [illegible] لیے پانچ لاکھ پونڈ کی پیش کش کی [illegible] مگر خدا بخش نے اس پیش کش کو مسترد کر دیا۔ [illegible] ۵۰ سال کی تھی [illegible] نظام [illegible] حیدرآباد [illegible] لائبریری کے نزدیک ہی [illegible] کام خدا بخش کے ایک [illegible] دل میں تھے [illegible] ان میں سے ایک [illegible] مخطوطہ کتابیں ہیں [illegible] مصر، شام، عرب اور [illegible] بادشاہ نامہ، فردوسی کا شاہنامہ اور دیوان حافظ کے قلمی نسخے [illegible] میں دیوان حافظ کے قلمی نسخہ کے حاشیے پر [illegible] جو مشہور کاتب یاقوت نے ۱۱۵۳ء میں ختم کیا تھا۔

ایک قلمی نسخہ [illegible] لائبریری کی ملکیت ہے ایک نسخہ [illegible] لائبریری سے حاصل کیا گیا [illegible] موضوعات پر اس لائبریری میں قلمی اور مطبوعہ کتابیں موجود ہیں۔ انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اطالوی، ہسپانوی اور لاطینی کی بھی بہت سی کتابیں ہیں۔

صفحہ ۴ سے آگے

نئے الفاظ و محاورات کی ایجاد ان کے یہاں سے ہوئی ہے جب فیض آباد میں کچھ لوگ کوئی نیا لفظ یا نیا محاورہ بولتے تھے تو اسے انھیں کے ایک بزرگ لکھ لیا کرتے تھے۔ اور وہ رجسٹر انھیں کے خاندان میں آگیا۔ اس میں انھوں نے کچھ بھی ایجاد نہیں کیا وہ دلی گئے تھے اور دلی میں انھیں کو انھیں پوچھتے ہیں لیکن انھیں نے انھیں استعمال کیا ہے اس سے یہ ان کی زبان کہاں ہوئی۔

انھوں نے بتایا کہ لکھنؤ والوں کے معنی ایسے عزیز یا غرباء جن کو علیحدہ رکھا جاسکے اور ان کی پرورش لازمی ہو۔

۲۷ جنوری ۱۹۶۴ کو اختر صاحب سے کئی مہینے بعد ملاقات ہوئی کیونکہ وہ علیل تھے۔ اکتوبر ۱۹۶۳ء میں ان پر فالج کا حملہ ہوا تھا وہ اس دوران میں مسلسل بیمار رہے۔ آج کی ملاقات میں انھوں نے بتایا کہ جس روز فالج کا حملہ ہوا ہے اس دن میرے سر کے پچھلے حصے میں شدید قسم کا درد ہوا جو ناقابل برداشت تھا۔ بروقت ڈاکٹر علیم کو اطلاع کی گئی انھوں نے تمام احتیاطی تدابیر کیں اور دوا دینا شروع کردی۔ لوگوں سے ملنا جلنا بات کرنا بھی منع کر دیا تھا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ میں اس درمیان میں کئی بار آیا اور آپ کی خیریت دریافت کرکے واپس چلا گیا۔ انھوں نے کہا کہ مجھے آپ کے آنے کی صرف ایک دفعہ اطلاع دی گئی تھی۔

آج انھوں نے بتایا کہ "فرہنگ اثر" کا دوسرا حصہ بھی کافی ضخیم ہوگیا ہے اور اب تقریباً تیار ہے۔ صدیق حسن صاحب ہوتے تو وہ کچھ نہ کچھ ضرور کرتے۔ پہلے حصہ پر بھی انھوں نے مرکزی حکومت وغیرہ کو لکھ کر مجھے بغیر اطلاع کے انعام دلایا تھا۔ لیکن خود مجھ سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ صرف ایک دن اس لغت کے ایک نسخہ کی نقل مجھ سے مانگ لے گئے تھے پھر معلوم ہوا کہ اس پر انعام ملا ہے۔ اختر صاحب نے بتایا کہ مجھے "پدم بھوشن" کا خطاب حافظ ابراہیم نے بغیر کسی میری تحریک یا خواہش کے دلایا تھا۔

آج انھوں نے صدیق حسن صاحب کی بڑی تعریف کی بار بار "آخ آخ" اپنے خاص انداز میں کرکے افسوس کا اظہار کرتے رہے اور کہتے رہے کہ ایسے لوگ اب کہاں۔ انھوں نے بتایا کہ صدیق حسن صاحب اپنے ڈرائیور صاحب کے پیچھے نماز بھی پڑھ لیتے تھے اور اپنے میں اور عام آدمیوں میں وہ کسی قسم کا کوئی امتیاز نہیں کرتے تھے یہ ان کی اعلیٰ ظرفی تھی۔

اختر صاحب نے بتایا کہ اقبال[1] احمد خاں صاحب کے خطوط لاہور سے برابر آتے رہتے ہیں۔ وہ تو بیچارے بڑے خلوص سے خط لکھتے ہیں لیکن میں ابھی جواب دینے کے لائق نہیں ہوں پھر مجھ سے پاکستان کے سفر کے متعلق دریافت کیا کہ میں اپنے "مقالہ" کے سلسلے میں کن کن لوگوں سے ملا۔ میں نے ان سے بتایا کہ لاہور میں محمد طفیل ایڈیٹر "نقوش" سے ملا لیکن انھوں نے بالکل سرسری اور کاروباری باتیں کیں اور جگر صاحب کے خطوط کی نقل دینے سے معذرت ظاہر کی حالانکہ انھوں نے مجھے خطوط کی نقل دینے کا بذریعہ مراسلہ وعدہ کیا تھا۔ آخر میں کہنے لگے کہ میں اپنے ضروری کام ہی نہیں انجام دے پاتا ہوں خطوط کہاں تلاش کروں گا بہرحال ان سے مل کر بہت مایوس ہوا۔ اس کے بعد کراچی گیا جہاں نواب سید شمس الحسن صاحب سے، ماہر القادری صاحب، احسن جشنی صاحب، ڈاکٹر ابواللیث صاحب، ڈاکٹر سید شاہ علی صاحب، غلام محی الدین صاحب، شوق صاحب مرادآبادی وغیرہ وغیرہ سے ملا اور کچھ معلومات فراہم کیں۔ اس کے بعد اختر صاحب کہنے لگے کہ طفیل صاحب کا خط آیا تھا کہ میں اپنے حالات زندگی ان کو لکھ کر بھیج دوں لیکن میں اس لائق ہی نہیں ہوں پھر انھوں نے بتایا کہ غالباً سیتاپور میں کوئی عرش شوکت کاروانی ہیں جو میرے (اختر صاحب کے) حالات لکھنا چاہتی ہیں ان کے بھی کئی خط آچکے ہیں اور میری نواسی سے بھی سفارش ہو چکی ہے لیکن میں ابھی اس حالت ہی میں نہیں ہوں کہ کچھ لکھ پڑھ سکوں۔

میں نے ان سے دریافت کیا کہ آج کل وقت کیسے گذرتا ہے کہنے لگے اخبار "قومی آواز" اور PIONEER پڑھتا رہتا ہوں پھر انھوں نے کہا کہ صدیق حسن صاحب کی کتاب کا ترجمہ کر رہے تھے اس سلسلے میں انھوں نے مجھ سے ایک بڑا نایاب لغت مانگا تھا۔ میں نے انھیں دیدیا تھا اور اب ان کا انتقال ہوگیا معلوم ہوتا ہے کہ اب ان کے عزیزوں میں کسی نے وہ لغت اٹھا لیا ہے۔ میں نے کہا کہ صدیق حسن صاحب کی ساری کتابیں اور کاغذات ایک جگہ محفوظ ہیں اور اس کی کنجی ان کے صاحبزادے "سعید" کے پاس رہتی ہے وہ غالباً الٰہ آباد میں زیر تعلیم ہیں جب آئیں تو کوشش کیجیے۔ انھوں نے کہا کہ ادیب نوش نے بھی یہی کہا ہے کہ اس کی سعید سے ملاقات ہے وہ کوشش کرکے وہ لغت ان سے نکال کر مجھے لا دیگا۔

اس کے بعد انھوں نے پھر وہی پرانی باتیں نانپارہ سے اپنا ننہالی رشتہ اور اس سے فطری تعلقات وغیرہ کی بابت باتیں کرتے رہے اب مجھے آدھ گھنٹے سے زیادہ ہوگیا تھا اس لیے فوری ان سے معذرت چاہی تب انھوں نے کہا کہ ہاں ڈاکٹر نے بھی زیادہ بات کرنے سے منع کیا ہے۔ آج پہلا دن تھا جب اختر صاحب کے یہاں جاکر آدھے گھنٹے میں واپسی ہوگئی ورنہ جب ان کے یہاں جانے لگا تھا کم سے کم تین گھنٹے کا وقت لگتا تھا اور پانچ بجے تک تو عام طور سے باتیں کرتے رہتے تھے اس کے بعد بہ مشکل تمام اجازت دیتے تھے۔

---

[1] اقبال احمد خاں صاحب۔ اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اردو ایف سی۔ کالج۔ لاہور۔

مراسلات

"شب برات"

جناب شوق صاحب کی خدمت میں۔

۴۲ سال قبل اچھے صاحب وکیل مرحوم کے وزیر گنج لکھنؤ کے مکان پر بارھویں شعبان یعنی شب برات ایک قصیدہ خوانی کی محفل ہوتی تھی جس میں حکیم دانش مرحوم کا مصرعہ بارھویں امام علیہ السلام کی شان میں آج بھی میرے دماغ میں گھوما کرتا ہے۔ مصرعہ یہ تھا ؂

"چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے"

حکیم دانش مشہور و معروف نابینا شاعر تھے جن کا رنگ نایاب تھا اور ان کا اساتذہ میں شمار ہوتا تھا۔ ان کے دو شعر آج بھی مجھے یاد ہیں ؂

دیکھ سکتا ہوں نہ اپنے کو نہ بیگانے کو
آخری دور ہے بھر دے کوئی پیمانے کو

رات کاٹی مرنے والے دوستوں کی یاد میں
دن گزارا منظر گور غریباں دیکھ کر

اس قصیدہ خوانی کی بزم میں پروفیسر مرزا محمد ہادی عزیز، مولانا ماتقی، مولانا علی اصغر، منشی احمد حسین قمر، محشر لکھنوی، علامہ آرزو ایسی جید شخصیتیں شریک ہوا کرتی تھیں۔

میرا مضمون چوری نہیں سینہ زوری ہے جس کو اہل اودھ "دھاندلی" کہتے ہیں۔ "گلشن کا کاروبار چلے" میرے خیال میں صحیح ہے۔ اب رہ گیا یہ مصرعہ ؂

"چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے"

شاید غریب فیض احمد فیض کی نظر سے گزرا بھی نہ ہوگا۔ البتہ جیسا کہ جناب شوق صاحب نے فرمایا ہے کہ گلوں کا کاروبار چلے۔ اس کا مفہوم گلفروش، ہار یا عطر کے علاوہ یہ بھی ہو سکتا ہے جس میں بڑا گندہ پہلو یہ بھی نکلے گا کہ تمہارے آنے سے پھول جو ہیں ان کا کاروبار چل جائے گا۔ اور تمہارے شوق میں ہر گل کے پاس لوگ آنے جانے لگیں گے اور مال کٹنے لگے گا۔ آج کل بیچارے فاقے کر رہے ہیں کیونکہ آج کل کی گورنمنٹ نے لکھنؤ، کراچی اور لاہور میں اس قسم کے اڈے بھی ممنوع قرار دے دئے ہیں۔

یہ تو بڑی زبردستی ہے کہ اگر آپ کا دماغ خود چلنے اس وقت کس عالم میں ہوگا، کوئی دوسرے معنی پیدا کر دے تخیل کی دنیا تو اتنی وسیع ہے کہ الفاظ کے معنی تو کیا بچے تک پیدا ہو سکتے ہیں۔ مولانا ماتقی مرحوم کے صاحبزادے کا ایک شعر بے ساختہ یاد آ گیا۔ تحریر کئے دیتا ہوں۔

دیوانہ ہے اور وسعت دنیا سے تنگ ہے
وہ بھی نظر آتا ہے جو موجود نہیں ہے

اہل زبان واقف ہیں کہ ایک ذرا سی رد و بدل یا صوتی اعتبار سے الفاظ کے اتار چڑھاؤ سے ہر شعر کا مفہوم بدلا جا سکتا ہے۔ یقین نہ آئے تو میں تیار ہوں شوق صاحب دس پانچ اشعار کسی دوسرے مضمون میں تحریر فرما دیجئے میں ان شاء اللہ اس کے معنی بدل دوں گا۔ بہر حال میری درخواست اتنا عرض کرنے کے سلسلے میں ہے کہ آپ کی چھان بین مفید نہیں بلکہ مضر ہے۔ بلکہ کوشش یہ کرنا چاہئے کہ وہ صورت ہو کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہمارا دل کے چلے یا کرما کاروبار چلے

ہمیں یہ شوق ہے اردو کا کاروبار چلے

آغا جانی کشمیری انتخاب بیدل مرحوم
تلامذہ علامہ آرزو مرحوم

مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی کی تصنیفات

مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی کی تصنیفات کی تعداد مختلف بتائی جاتی ہے۔ بیالیس ناول، پندرہ تاریخی کتب، سوانح عمریاں، چھ نظم و ڈرامہ، اٹھارہ متفرق کتب۔ ناولوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ محمد حنفی نے بیس بتایا ہے۔ رام بابو سکسینہ نے اکتیس کے نام گنائے ہیں، مرزا عسکری نے بیالیس تعداد لکھی ہے۔ خاکی قزلباش نے چھتیس ناول ثابت کئے ہیں۔ مجھے اب تک ۳۶ کتابیں لکھنؤ کے مختلف کتب خانوں میں مل چکی ہیں۔ ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

ناول۔

۱۔ حسن انجلینا، ۲۔ شوقین ملکہ، ۳۔ عزیزہ مصر، ۴۔ مینا بازار، ۵۔ فتح اندلس، ۶۔ رومتہ الکبریٰ، ۷۔ مفتوح فاتح، ۸۔ فلپانا، ۹۔ فلورا فلورنڈا، ۱۰۔ فردوس بریں، ۱۱۔ قیس ولبنیٰ، ۱۲۔ لعبت چین، ۱۳۔ ملک العزیز ورجنا، ۱۴۔ مقدس نازنین، ۱۵۔ ماہ ملک، ۱۶۔ منصور موہنا، ۱۷۔ یوسف و نجمہ، ۱۸۔ ایام عرب، ۱۹۔ جویائے حق، ۲۰۔ زوال بغداد، ۲۱۔ بابک خرمی، ۲۲۔ آغا صادق کی شادی، ۲۳۔ حسن کا ڈاکو، ۲۴۔ دلچسپ، ۲۵۔ دربار حرام پور، ۲۶۔ غیب دان دلہن، ۲۷۔ الفانسو، ۲۸۔ بدر النساء کی مصیبت، ۲۹۔ خوفناک محبت، ۳۰۔ درگیش نندنی، ۳۱۔ شہزادہ حبش، ۳۲۔ دلکش، ۳۳۔ روز ... ، ۳۴۔ بغداد کی حسینہ۔ ایک ناول "ڈاکو کی دلہن" کا نام فہرست میں ملتا ہے۔ مگر ناول دیکھنے کو نہیں ملا ہے۔

تاریخی کتب۔

۱۔ تاریخ ارض مقدس، ۲۔ مسیح اور مسیحیت، ۳۔ تاریخ بغداد، ۴۔ تاریخ سندھ، ۵۔ تاریخ خلافت، ۶۔ عزیز مصر، ۷۔ تاریخ اسلام، ۸۔ عصر قدیم، ۹۔ سسلی میں اسلام۔

ڈرامہ۔

۱۔ میوہ تلخ، ۲۔ نیکی کا پھل، ۳۔ اسیر بابل، ۴۔ شہید وفا

نظم۔ ۱۔ زمانہ اور اسلام، ۲۔ شب غم، ۳۔ شب وصل۔ مرزا عسکری نے نظم و ڈرامہ کی تعداد آٹھ بتائی مگر ہمیں سات مل گئی ہیں۔

سوانح عمریاں۔

۱۔ حسن بن صباح، ۲۔ ابوبکر شبلی، ۳۔ خاتم المرسلین، ۴۔ صد پارہ دل، ۵۔ خواجہ معین الدین چشتی، ۶۔ سیر رجال، ۷۔ جنید بغدادی، ۸۔ ثانی اثنین، ۹۔ ذی النورین، ۱۰۔ ابو الحسنین، ۱۱۔ قرۃ العین، ۱۲۔ ملکہ زنوبیہ، ۱۳۔ سکینہ بنت حسین ۱۴۔ شیریں مکرم، ۱۵۔ افسانہ قیس، ۱۶۔ مخدرات، ۱۷۔ اسلامی سوانح عمریاں۔ ایک کتاب لارڈ کلائیو کا نام فہرست میں ملتا ہے۔

متفرق کتب۔

۱۔ مقدس دینی برکتیں، ۲۔ قانون وراثت اسلام میں ۳۔ ہندوؤں کا تعلق اردو سے، ۴۔ ہندوستان کی موسیقی، ۵۔ سفرنامہ حبشی، ۶۔ بحر تمدن، ۷۔ ولادت سرور عالم، ۸۔ جان عالم۔

شرر کی ایک اور کتاب "نور جہاں" ہے جو قلمی کہی جاتی ہے۔ اس کا مسودہ ہندوستان میں ہے یا پاکستان منتقل ہو چکا ہے کچھ پتہ نہیں چلتا ہے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ وہ شایع ہو چکی ہے۔ قلمی مسودہ کا مسئلہ صرف فراڈ ہے۔ اب گزارش یہ ہے کہ اگر بقیہ کتابوں کے نام بھی جن حضرات کو معلوم ہوں لکھ دیں اور اگر یہ بھی نشاندہی کر سکیں کہ وہ کہاں ہیں تو مولانا عبد الحلیم شرر لکھنوی پر کام کرنے والوں کی مدد ہو جائے گی۔

شریف الحسن ناصر پوری
۱۱۷۔ اولڈ گنیش گنج، لکھنؤ

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی

ہماری زبان کی ۸ اگست کی اشاعت کے صفحہ نو پر دلی کے کسی اخبار جات کا ایک اداریہ نقل کیا گیا ہے جس میں حامیان اردو کو "فرقہ پرستوں اور عوام کے دشمنانے ہوئے کانگریسیوں کا آلہ کار بننے سے منع کیا گیا ہے۔

اس تلخ حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ یو۔ پی اور بہار کی کانگریسی حکومتیں اپنے بیس سالہ دور حکومت میں اردو کو ثانوی زبان بنانے پر آمادہ نہیں ہوئیں لیکن یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۶۷ء تک کانگریس نے اپنے کسی الیکشن مینی فیسٹو میں اردو کو ثانوی زبان بنانے کا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ اور کانگریس کے برعکس متحدہ محاذ کی تمام سیاسی پارٹیوں نے صریح اور واضح الفاظ میں اردو کو ثانوی زبان بنانے کا وعدہ فرمایا تھا اور اب بہار میں جن سنگھ پارٹی اور یو۔ پی میں جن سنگھ کے ساتھ ساتھ جن کانگریس ایس۔ ایس۔ پی اور پی۔ ایس۔ پی کے لیڈر بھی اپنے منشور کو فراموش فرما کر اردو کو ثانوی زبان کی حیثیت دینے پر آمادہ نظر نہیں آتے ہیں اور شاید اسی یاس نا امیدی کا اثر ہے کہ حافظ اردو دستے میں نہ صرف کمیونسٹ اور دیگر لیڈر رونق افروز نظر آتے ہیں بلکہ کانگریسی لیڈر بھی دکھائی دیتے ہیں۔

ممکن ہے کہ کانگریسی لیڈروں کی یہ اردو دوستی سیاسی ہو لیکن اگر یہ اردو دوستی خالصتاً سیاسی ہے تو پھر متحدہ محاذ کے ہر شہ مند زعما دوسرے سیاسی میدانوں (مثلاً کسان کی تخفیف ملازموں کی تنخواہوں میں اضافہ) کی طرح اردو کو ثانوی زبان بنا کر اس میدان میں بھی کانگریس کو شکست کیوں نہیں دیتے؟

(محمد عباس طالب صفوی)

نظم "انسان" کے بارے میں

آپ کے اخبار یکم اگست صفحہ ۵ پر جناب پورن سنگھ صاحب ہنر سکریٹری انجمن ترقی اردو پنجاب کی ایک تحریر شایع ہوئی جس کا عنوان "انسان" ہے۔ یہ میری کتاب "جواہر پارے" کی نقل ہے بلکہ اس کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ ملاحظہ فرمائیے

پرچم ضیا صفحہ ۸۵

۸۵

انسان
پھر میں نے پھول کی کلی کھلتی دیکھی
دانائی کی جانب
بڑھتوں اور پھلوں
پھر میرے لیے الفاظ پیدا ہوئے
عمل سے عمل ادھیں انسان بن گیا

پھر میں عالم شباب میں آیا
دانا بننے کے لیے
پھلنے پھولنے کے لیے
قول کے بعد
میرے سامنے
قول آنے لگے
اور عمل کے بعد

(برہم ناتھ دت)

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اردو کو ذریعہ تعلیم کے قیام پر غور

حیدرآباد۔ مرکزی وزیر صنعتی ترقیات جناب فخر الدین علی احمد نے حیدرآباد میں مختصر قیام کے دوران اوقاف، دینی تعلیمی اور اقلیتی مسائل سے تعلق رکھنے والے اداروں کے نمائندوں سے ملاقات کے علاوہ اردو کے اداروں کا معائنہ بھی فرمایا اور مرزا غالب کے جشن صد سالہ کے سلسلے میں دوسری زبانوں کے نمائندوں سے تبادلہ خیال بھی کیا۔

جناب فخر الدین علی احمد نے بتلایا کہ علی گڑھ یونیورسٹی میں اردو کو ذریعہ تعلیم قرار دینے کی تجویز پر غور ہو رہا ہے۔

کوٹھاری کمیشن نے حال میں سفارش کی ہے کہ شمالی اور جنوبی ہند میں اردو کی یونیورسٹیاں قائم کی جانی چاہئیں۔

آئندہ چند سالوں کے اندر اندر علاقائی زبانوں کو یونیورسٹی میں ذریعہ تعلیم بنایا جا رہا ہے اس لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اردو کی بھی کوئی یونیورسٹی ہو اور شمالی ہند میں یہ صرف علی گڑھ ہی پورا کر سکتی ہے چونکہ اس یونیورسٹی کی اپنی ایک تاریخ ہے اور مستقبل میں بھی اسے سیکولر ہندوستان میں اپنا اہم رول انجام دینا ہے جناب فخر الدین علی احمد کا یہ اعلان مرکزی حکومت کے خوشگوار انداز فکر کا نقیب ہے۔

(الجمعیۃ دہلی)

اردو زبان کا اس کے رسم خط کے ساتھ تحفظ کیا جائے

لکھنؤ۔ جناب امرت لال ناگر نے جو مشہور ہندی شاعر ہیں ہندی مصنفین سے اپیل کی ہے کہ وہ یوپی میں اردو کو صحیح مقام دلانے کی متحد ہو کر کوشش کریں تاکہ مفاد پرست لوگوں کو سیاست داں اپنی خاص اغراض کے لیے آلۂ کار نہ بنا سکیں۔ وہ ترقی پسند مصنفین کے ایک جلسہ میں تقریر کر رہے تھے۔

جناب ناگر نے کہا کہ ہندی مصنفین اردو زبان کا اس کے رسم خط کے ساتھ تحفظ کریں۔ اس کے ادب کو محفوظ کریں اور اسے وہ مناسب جگہ دلائیں جس کی وہ مستحق ہے۔

اس اجتماع میں جناب فراق، جناب کرشن چندر، جناب مخدوم محی الدین، خواجہ احمد عباس، اور جناب سجاد ظہیر بھی موجود تھے۔ انھوں نے بھی تقریریں کیں۔ (الجمعیۃ دہلی)

انجمن ترقی اردو شاخ رانچی کا جلسہ

انجمن ترقی اردو شاخ رانچی کی مجلس عاملہ کا ایک اہم جلسہ انجمن بلڈنگ مین روڈ میں زیر صدارت جناب محی الدین صاحب ایم۔ اے منعقد ہوا۔

اس جلسہ میں مندرجہ ذیل اہم تجاویز بالاتفاق پاس ہوئیں۔ اس سے پہلے صدر انجمن ترقی اردو نے مجلس عاملہ میں انجمن ترقی اردو اور ثانوی اسکول بورڈ کی مشترک منعقدہ ۲۰ اگست کی رپورٹ پیش کی۔

تجویز نمبر ۱۔

رانچی ضلع [illegible] پرائمری اور مڈل [illegible] بائی اسکولوں کی اردو اساتذہ کی تعداد [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اس کے لیے [illegible] [illegible] سب کمیٹی بنائی گئی جو اپنی رپورٹ [illegible] پیش کرے گی۔

(۱) جناب [illegible] صاحب [illegible] [illegible] ہائی اسکول رانچی [illegible]

(۲) جناب [illegible] صاحب [illegible] ہائی اسکول رانچی

(۳) جناب [illegible] صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو

تجویز نمبر ۲۔

رانچی ضلع کے تمام سب ڈویژنوں میں انجمن ترقی اردو کی شاخیں قائم کرنا [illegible] تاکہ ان کے ذریعہ اردو کی بقا و فروغ کا کام اطمینان بخش طریقے سے ہو سکے۔

تجویز نمبر ۳۔

مختلف سیاسی اور غیر سیاسی اداروں کے عہدیداروں اور غیر مسلم ممتاز شخصیتوں سے مل کر اردو کے سلسلے میں ان کی رائے معلوم کی جائے اور اردو کے کاز (CAUSE) کو آگے بڑھانے میں ان کا تعاون حاصل کیا جائے۔ اس کام کے لیے چار افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی۔

اس جلسہ میں اردو کی بقا اور دوسری سرکاری زبان بنانے کے مسئلے پر بھی بحث و مباحثہ ہوا۔ اس سلسلے میں جناب کے۔ ان۔ چودھری اور جناب اے۔ بانٹھیے نے مفید مشورے دیئے اور فرمایا کہ فرقہ پرستوں کی باتوں پر دھیان نہیں دینا ہے بلکہ تعمیری کاموں کی طرف قدم آگے بڑھانا چاہیے۔ اس کے بعد جلسہ کا اختتام ہوا۔ اور سکریٹری صاحب نے حاضرین جلسہ کا شکریہ ادا کیا۔

خواجہ نسیم
ناظم نشر و اشاعت انجمن ترقی اردو رانچی

اردو کے شیدائی، سودائی بن گئے ہیں

حیدرآباد۔ جناب ڈی۔ شنکر سکریٹری مرکزی محکمۂ دفاع نے آج یہاں کہا کہ اردو سیاست کا شکار بن گئی ہے اور

حالاتِ حاضرہ کے دربار میں جو زبان زیادہ سے زیادہ قربانیاں دے رہی ہے وہ بھی "اردو" ہی ہے۔

جناب وی. شنکر اردو ہال حمایت نگر میں ایک خیر مقدمی تقریب میں تقریر کر رہے تھے موصوف حسنِ مزاج کے لیے دہلی سے حیدرآباد بھیجے گئے تھے۔ جناب شنکر نے اردو کے شاندار ماضی اور زوال پذیر زمانۂ حال کا ذکر کرتے ہوئے مستقبل کے سلسلے میں توقع آمیز خوش گمانی کی اور کہا جب تک اس زبان کے لیے عوام کے دلوں میں پیار رہے گا، اردو ہرگز نہیں مٹ سکتی۔ انھوں نے کہا کہ اردو کی ترقی و ترویج میں ہمیں صف اول کا کردار ادا کر رہے ہیں جن کے لیے اردو والے راجندر سنگھ بیدی، علی سردار جعفری، کرشن چندر، خواجہ احمد عباس، اور دوسرے ادیبوں اور شاعروں نے مشہور کیا۔

جناب شنکر نے کہا کہ جب سے اردو سیاست کا شکار ہوئی ہے اردو سے متعلق نئی صورتیں بن چکی ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ یہ زبان اور اس کے اقدار برقرار رہیں گے ضرورت صرف اردو سے لگاؤ کی ہے۔

انھوں نے جناب حبیب الرحمٰن معتمد عمومی انجمن ترقی اردو کی تقریر کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ انھوں نے ابھی اردو سے میری عقیدت کا ذکر کیا ہے میں تو یہی کہوں گا کہ اس سے عقیدت کا کیا ذکر وہ ہماری ماں ہے جس نے ہمیں جنم دیا ہے۔ اس سے قبل جناب حبیب الرحمٰن نے مختصر سی تقریر میں جناب وی شنکر کی اردو دوستی اور ادب نوازی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ایسے علم دوست حضرات کی وجہ سے ہی اردو زبان مایوسیوں کے جھکڑوں میں گھرے رہنے کے باوجود زندہ ہے۔

اس موقع پر شہر کے ممتاز ادیب اور شاعر موجود تھے۔

(مرسلہ انجمن ترقی اردو حیدرآباد)

اردو کو دوسری سرکاری زبان نہ بنایا جائے گا سہولتیں ملیں گی

الٰہ آباد۔ ایس۔ وی۔ ڈی کی حکومت اردو کو ریاست کی دوسری سرکاری زبان نہیں بنائے گی۔ لیکن اسے وہ ترقی کی تمام سہولتیں دے گی۔ یہ الفاظ ریاستی وزیر صنعت جناب رجبور اتن سنگھ نے الٰہ آباد یونیورسٹی کے طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے کہے۔ انھوں نے کہا کہ اتر پردیش کو دو لسانی ریاست نہیں بنایا جا سکتا ہے۔

اردو تحریک کانگریس نے چلائی ہے جو ایک سیاسی تحریک ہے اس کے پیچھے اور کوئی بات نہیں ہے۔ جو لوگ اردو ہندی تنازعہ اٹھاتے ہیں وہ صرف انگریزی کو رکھنے کے لیے ایسا کر رہے ہیں۔ حالانکہ ہندی ریاست کی سرکاری زبان ہے لیکن دوسری زبانوں کو دستور نے جو حقوق دئے ہیں انھیں حکومت فراموش نہیں کرے گی۔

انھوں نے دعوا کیا کہ جب سے ایس۔ وی۔ ڈی حکومت آئی ہے اس نے اردو کی تعلیم کی زیادہ سہولتیں مہیا کی ہیں۔ طے پایا ہے کہ اہم اعلانات کو گزٹ میں اردو میں بھی شائع کیا جائے۔ حکومت نے ایک ۵ رکنی کمیٹی بھی مقرر کی ہے جو یہ دیکھے گی کہ اردو کو جو مراعات دی گئی ہیں ان پر عمل درآمد ہو رہا ہے یا نہیں۔

(قومی آواز لکھنؤ)

اردو کے حقوق کے تحفظ کے لیے مرکزی حکومت کا اقدام

نئی دہلی۔ وزارت داخلہ میں وزیر مملکت جناب ودیا چرن شکلا نے لوک سبھا میں بتایا کہ مرکز نے اردو کے حقوق کے تحفظ کے لیے قدم اٹھایا ہے انھوں نے بتایا کہ مرکز نے اس سلسلے میں ریاستوں کو ہدایت جاری کی ہے۔

جناب شکلا نے بتایا کہ مرکز نے ریاستوں سے کہا ہے کہ جہاں اردو بولنے والوں کی معقول آبادی ہو وہاں وہ ان مختلف ہدایات کو جامۂ عمل پہنائے جن کے بارے میں مرکز نے ۱۹۵۸ء میں ایک لسانی اعلان جاری کیا تھا۔

یاد رہے یہ اعلان امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے انتقال کے بعد اس وقت جاری کیا تھا جب پنڈت جواہر لال نہرو نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے اس طرف توجہ دلائی تھی اور خصوصیت کے ساتھ کہا تھا کہ اس سلسلہ میں مولانا کے انتقال کے بعد ہماری ذمہ داری اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔

اس اجلاس کے بعد اس وقت کے مرکزی وزیر داخلہ پنڈت گوبند ولبھ پنت نے ان علاقوں میں سرکاری طور پر اردو کے استعمال کے بارے میں کچھ ہدایات جاری کی تھیں جہاں کے لیے اردو والوں کی طرف سے مطالبہ کیا جا رہا تھا

(الجمعیۃ دہلی)

اردو کو نقصان پہونچانے کی کوشش سے ہندی کو نقصان پہنچے گا

الموڑہ۔ یہاں اخباری نمائندوں سے بات چیت کے دوران اردو کو یوپی میں دوسری زبان قرار دینے کے مطالبہ کے بارے میں ڈاکٹر لوہیا نے کہا کہ "ہماری اپنی زبانوں کے تمام جھگڑوں کو طے کر لینا چاہئے ان جھگڑوں کی اہمیت کم کی جانی چاہئے کیونکہ اس سے تنہا انگریزی کو فائدہ پہونچتا ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ بعض جماعتوں نے اردو کو گرانے کی کوشش کی

ہے۔ اس سے انگریزی ہی کو فائدہ ہوا اور اس لیے ہندی کو نقصان پہنچا۔ اردو کو نقصان پہونچانے کی کوشش ہندی کو نقصان پہونچانے کے برابر ہے۔

سہ لسانی فارمولے میں ترمیم کر دی گئی

نئی دہلی ۲۹ معلوم ہوا ہے تعلیم سے مرکزی ایڈوائزری بورڈ کی اسکولی تعلیم اور سماجی تعلیم سے متعلق اسٹینڈنگ کمیٹی نے اسکولوں کے لیے ایک ترمیم شدہ سہ لسانی فارمولا منظور کیا ہے۔ فارمولا بورڈ کی آخری منظوری کے لیے اس کے اجلاس میں پیش کیا جائے گا۔

کمیٹی نے اسکولوں میں زبانوں کی تعلیم کے بارے میں حسب ذیل اصول طے کئے ہیں۔

(الف) یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے کہ قبل اس کے کہ ایک طالب اپنی اسکول کی تعلیم (دسویں جماعت تک) مکمل کرے۔ اسے تین زبانیں سیکھنی چاہئیں۔

(۱) مادری زبان یا علاقائی زبان۔

(۲) ہندی یا کوئی اور زبان جو آٹھویں شیڈول میں درج ہے اور جسے (۱) کے تحت نہیں اختیار کیا گیا۔

(۳) انگریزی یا کوئی اور زبان۔

(ب) تمام ثانوی اسکولوں میں تین زبانوں کی تعلیم کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی۔

(ج) زبانیں پڑھانے کا ایک نیا طریقہ اختیار کیا جانا چاہئے۔

(د) بعد کے مرحلوں میں مختلف زبانوں کی تعلیم رائج کئے ہوئے لچک پیدا کی جائے مگر طالب علموں کو بعد کے تمام مرحلوں میں ہندی یا انگریزی کی تعلیم حاصل کرنے کی مناسب سہولتوں کا انتظام کیا جائے۔

مہاراشٹر کے وزیر تعلیم جناب ایم۔ ڈی چودھری نے اسٹینڈنگ کمیٹی کے اجلاس کی صدارت کی۔

کمیٹی نے کامن اسکول سسٹم کی حمایت کی یہ بات محسوس کی گئی کہ کامن اسکول سسٹم سماجی اتحاد کے لیے بہت ضروری ہے اور سماج کے کم ترقی یافتہ طبقوں کو مساوی مواقع فراہم کئے جائیں گے

اس وقت سماج میں اسکولوں میں امیر اور غریب کا جو فرق ہے وہ ختم ہونا چاہئے۔ کامن اسکول سسٹم ملک کے تمام حصوں میں جاری کیا جائے۔ اور سب طبقے کے لیے ان کے دروازے کھلے ہوئے ہونے چاہئیں۔ تعلیم کا سسٹم اتنا اونچا ہونا چاہئے کہ اوسط درجے کے والدین کو بھی اپنے بچے کو اس سسٹم سے باہر کسی اعلیٰ اسکول میں بھیجنے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ (الجمعیۃ)

اردو اپنے رسم خط کے بغیر ویسی ہی ہوگی جیسے بے روح کی مردہ لاش

پٹنہ ۔ اخباری نمائندوں سے خطاب کرتے ہوئے صدر انجمن ترقی اردو بہار جناب غلام سرور نے کہا کہ ریاست کی اردو بولنے والی اقلیت کو موجودہ مخالفت کی پرواہ کوئی حیرت نہیں ہے یہ تو آزادی کے بعد سے اس کی قسمت ہی رہی ہے۔ تمام دستوری تحفظات اور بار بار یقین دہانیوں کے باوجود اردو آبادی کے حقوق کی تکمیل آج تک ایک سراب ہی رہی۔ آپ اس امر میں مجھ سے اتفاق کریں گے کہ ایماندارانہ مخالفت کرنے والوں کو قائل کرنا آسان ہے۔ لیکن جو لوگ غیر معقول انداز اختیار کرتے ہیں ان سے بات کرنا بہت دشوار ہے۔ یہ بہت ہی بدقسمتی کی بات ہے کہ مخالف اردو تحریک کے علمبردار اپنے اندھے جوش میں اور اردو کے مفاد کو نقصان پہنچانے کے لیے مختلف قسم کا بے بنیاد پروپیگنڈہ کر رہے ہیں اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ بہار کی اکثریت کے معصوم ذہنوں کو مسموم کیا جائے۔

آپ نے کہا کہ بہار اسٹیٹ انجمن ترقی اردو ہندی کو ملک کی رابطہ کی زبان اور ریاست بہار کی سرکاری زبان تسلیم کرتی ہے اس کے پیش کردہ مطالبات ہندی کی ترقی میں کسی طرح بھی رکاوٹ نہیں ڈالتے اردو کے لیے ہندی کے برابر کسی مقام کا مطالبہ کبھی بھی نہیں کیا گیا ہے۔ اردو کا مطالبہ بہار کو دو لسانی ریاست بنانے کا مطالبہ ہرگز نہیں ہے۔ کسی بھی طور سے اردو کے علاقائی اور دوسری سرکاری زبان تسلیم کر لیے جانے سے تمام طالب علموں اور دفتری کام کرنے والوں کو اردو پڑھنا یا اردو میں کام کرنا ضروری نہیں ہوگا۔ اردو کی تحریک نہ تو پاکستانی ہے اور نہ پاکستان سے اس کا کسی قسم کا تعلق ہے۔ آپ نے کہا کہ بہار کی انجمن کا مطالبہ یہ ہے کہ

(۱) جن بچوں کی مادری زبان اردو ہے ان کو ابتدائی تعلیم اردو ذریعہ تعلیم سے دلوانے کا بندوبست کیا جائے جو کہ والدین یا سرپرست بیان کرے اس کی مادری زبان اردو ہے اس بات کا تعین کیا جائیگا۔

(۲) جن لڑکوں کی مادری زبان اردو ہے ان کو تعلیم کے ثانوی مدارج سے کر یونیورسٹی کے مدارج تک اردو پڑھنے کی سہولت بہم پہنچائی جائے۔ (۳) جن اسکولوں میں کم از کم ۲۰ اردو پڑھنے والے لڑکے موجود ہوں وہاں اردو پڑھانے کا انتظام کیا جائے۔ (۴) پوری عدالت کی ریاستوں اور دیگر سرکاری محکموں میں اردو زبان اور اردو رسم خط کے استعمال کی بھی اجازت دی جائے۔ ایک اخباری نمائندے کے رسم الخط سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ زبان کا تعلق رسم الخط سے ایسا ہی ہے جس طرح جسم کا روح سے اردو زبان کو اس کے رسم خط سے الگ کر کے اردو زبان کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی حالت ایسی ہی ہوگی جیسے بے روح کی مردہ لاش

یو پی میں اردو کو علاقائی زبان تسلیم کرانا ہی مناسب

لکھنؤ۔ انجمن ترقی اردو لکھنؤ کی جانب سے آج گنگا پرشاد میموریل ہال میں ایک جلسہ طلب کیا گیا جس نے متفقہ طور پر ایک تجویز منظور کرتے ہوئے حکومت اتر پردیش سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ جلد از جلد اردو کو علاقائی زبان تسلیم کرے جلسے میں مختلف سیاسی جماعتوں کے نمائندوں کے علاوہ ممبران مجالس قانون ساز بھی شریک تھے۔

صدر جلسہ پنڈت آنند نرائن ملا نے اپنی تقریر میں کہا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اردو کو دوسری سرکاری زبان قرار دئے جانے کا مطالبہ کس طرح شروع کر دیا گیا جب کہ ۲۰ سال سے متفقہ اردو کو علاقائی زبان تسلیم کئے جانے کا مطالبہ کیا جاتا رہا ہے اور آج بھی یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

انھوں نے کہا کہ یا تو دوسری سرکاری زبان کا مطالبہ دھوکہ کی وجہ سے ہوا یا کسی غلط فہمی سے یا کچھ کا پھیر رہا تعجب اس بات پر ہے کہ مقامی انجمن ترقی اردو نے دوسری سرکاری زبان کا نعرہ بھی استعمال کیا ہے اس مسئلے پر مرکزی انجمن ترقی اردو نے مجھ سے وضاحت چاہی ہے اور یہ بات دہرائی ہے کہ یو پی میں اردو کو علاقائی زبان تسلیم کیا جائے۔ میں بھی بحیثیت صدر کے اس موقف پر پوری طرح متفق تھا اور ہوں۔ انھوں نے کہا کہ یو پی میں اردو کو دوسری سرکاری زبان تسلیم کئے جانے کا کوئی سوال نہیں کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حکومت اپنا تمام کام دو زبانوں میں کرے۔

انھوں نے کہا کہ میں یہ کہوں گا کہ علاقائی زبان کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم کی تمام سہولتیں اور درخواستوں کی عدالتوں میں دی جانے کی سہولتیں حاصل ہوں۔ اور اگر صوبائی حکومت علاقائی زبان تسلیم کرنے تو صدر جمہوریہ دفعہ ۳۴۷ کے تحت اعلانیہ جاری کر سکتے ہیں۔ میں اردو کا خادم ہوں۔ اردو کا خادم رہوں گا اور جس حیثیت سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ ہی سوچیں کہ اگر سرکاری زبان کا مطالبہ آتا ہے تو کیا منوایا جا سکتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ دوسری سرکاری زبان کے مفہوم پر جو جو وہ حکومت میں شامل سیاسی جماعتیں نہ تو رضامند ہو سکتی ہیں اور اگر رضامند ہو بھی جائیں تو جو مدت اور وقت لگے گا اس وقت شاید اردو پڑھنے والے ہی نہ ہوں یا اردو کا سوال ہی ختم ہو چکا ہو۔

انھوں نے کہا۔ میں تو اس حد تک کہوں گا کہ اگر علاقائی زبان کے نام پر ملنے والی مراعات بلا نام کے لیں اور اردو کے حقوق کا تحفظ ہو تو میں بغیر حیل و حجت کے اسے قبول کر لوں گا اور مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ مراعات بھی علاقائی زبان کے زمرے میں آتی ہیں اور ہمیں ناموں کے بجائے مقصد پر نظر رکھ کر اسے حاصل کرنا چاہیے۔ (قومی آواز)

یونیورسٹیوں میں تعلیم کا ذریعہ علاقائی زبانیں ہی ہوں گی

نئی دہلی۔ ریاستی وزرائے تعلیم نے غیر رسمی طور پر اپنے جلسہ میں عام طور پر یہ بات مان لی ہے کہ یونیورسٹیوں میں تعلیم کا ذریعہ علاقائی زبانوں کو ہونا چاہیے۔

اس غیر رسمی جلسہ کی صدارت مرکزی وزیر تعلیم ڈاکٹر ترگنا سین نے کی۔ جہاں اکثر ریاستوں کی جانب سے بتایا گیا کہ انھوں نے اپنی اپنی یونیورسٹیوں میں انگریزی کی جگہ علاقائی زبانوں کو تعلیم کا ذریعہ بنانے کی خاطر کیا کیا اقدام کئے ہیں جن سے یہ تبدیلی سہولت کے ساتھ ہوگی وہاں آسام منی پور اور ناگالینڈ نے ان مختلف دشواریوں کا ذکر کیا جو علاقائی زبانوں کو یونیورسٹیوں میں تعلیم کا ذریعہ بنانے سے ان کو درپیش ہو سکتی ہیں۔

وزرائے تعلیم نے ابھی ذریعہ تعلیم کے سوال پر باضابطہ غور نہیں کیا ہے۔

آج انھوں نے علاقائی زبانوں میں نصابی اور کتابوں کے ترجمہ کے لیے مرکزی امداد پر غور کیا مرکز نے ۱۸ کروڑ روپیہ یعنی ہر ریاست کو ایک کروڑ روپیہ دینے کا ارادہ کیا ہے اس دوران میں ذریعہ تعلیم کا سوال بھی اٹھا۔

اس مسئلہ پر آگے چل کر وزرائے تعلیم باضابطہ غور کریں گے۔
(قومی آواز لکھنؤ)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پبلشر نصیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپا یا اور پبلشر نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا